سوالنامہ کے جواب میں
سلسلہ نمبر ۲

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
مفتی اعظم پاکستان۔ صدر دارالعلوم کراچی

میری علمی و مطالعاتی زندگی

★

کرم فرمائے محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ نے مجھ ناکارہ کی علمی زندگی کے بارہ میں کچھ سوالات کئے ہیں۔ میں علم و عمل سے تہی دامن اسکا جواب کیا دیتا یہ خود ایک مسئلہ بنا ہوا تھا جسکی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی۔ آپ نے مولوی محمد تقی سلمہٗ کو مسلط فرما دیا جو جواب کے لئے یاد دہانی کیساتھ تاکید بھی کرتے رہے۔ آج مجبور ہو کر یہ سطور لکھ رہا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی علمی اور عملی زندگی کے جس باب اور جس پہلو پر نظر ڈالتا ہوں سب کوتاہیوں اور لغزشوں اور غفلتوں سے لبریز نظر آتے ہیں۔ ان حالات میں میں دوسروں کو کیا بتاؤں۔

البتہ اللہ تعالیٰ کے انعامات اس ناکارہ پر بے حد و بے شمار ہوئے ان میں سب سے بڑا احسان یہ کہ اس نے ایک ایسے گھرانہ میں پیدا کر دیا جو اسلام و ایمان اور اس کے ساتھ دینداری میں معروف تھا۔ جب سے ہوش سنبھالا دین کی باتیں بزرگوں کی حکایتیں کان میں پڑتی رہیں۔ اس کے بعد سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے ایک ایسی جگہ پیدا فرما دیا جو علم اور دین کے اعتبار سے پورے ملک میں بلکہ شاید پوری دنیا میں ایک امتیازی مقام رکھتا تھا۔ یعنی دیوبند۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ ایسے راسخ العلم محقق علماء کو جمع فرما دیا تھا۔ جو علم کے ساتھ عمل اور تحقیق کے ساتھ اعتدال اور بلند نظری کیساتھ اپنے زمانے کے حالات پہ گہری نظر رکھنے والے تھے، وہ علماء ربانی صرف علماء نہیں۔ اولیاء اللہ بھی تھے، والد ماجد اسی دارالعلوم میں علمی عملی تربیت پاکر اس کے مدرس کی حیثیت میں تھے۔

قدرت نے اس سوال کی زحمت ہی سے بچا دیا کہ بچے کو تعلیم کے لئے کہاں بھیجیں۔ جب تک پڑھنے کے قابل نہ تھا۔ اس وقت بھی دارالعلوم کا صحن میرے کھیلنے کی جگہ تھی۔ ہر طرف علماء صلحاء ہی پہ نظر پڑتی تھی۔ کوئی بھی بات کان میں پڑتی تو انہی بزرگوں کی۔۔۔۔

۱۳۲۰ھ میں جبکہ عمر کا ساتواں سال تھا۔ باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی اور ۱۳۶۲ھ تک اسی گہوارۂ علم و عمل میں رہنے کی توفیق ملی۔ میری علمی عملی زندگی کے

کہ گوشہ میں کوئی تمیز کا پہلو ہے تو وہ سب ان بزرگوں کا فیض نظر ہے۔ میرا اپنا کچھ نہیں، عام مسلمانوں اور طلباء و علماء کیلئے کچھ مفید باتیں اور کلمات حکمت انہی بزرگوں سے سنے سنائے ہیں جن کو اپنے لئے بھی سرمایۂ سعادت سمجھتا ہوں۔ اور دوسرے اہل علم دوستوں کو بھی ان کا پہنچانا مفید سمجھ کر لکھتا ہوں۔ اسکی معافی چاہتا ہوں کہ آپ کے سوالات کی ترتیب پر اس کے جوابات نہیں، مگر امید ہے کہ مقصد سوالات پر نظر کی جائے تو اس میں ان کے کافی جواب ملیں گے۔

مطالعہ کتب | ۱۔ اصل یہ ہے کہ انسان کا معلّم درحقیقت انسان ہی ہو سکتا ہے، کوئی کتاب خود معلّم نہیں ہوتی، البتہ تعلیم تعلّم میں معین ضرور ہوتی ہے۔ اس لئے اصول کی بات یہ ہے کہ جس علم و فن کو حاصل کرنا مقصود ہو اس کا ماہر محقق استاد تلاش کیا جائے۔ اور جب وہ مل جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت سمجھ کر اس سے اکتساب علم میں مشغول ہو کسی کتاب کا مطالعہ بھی کیا جائے تو اسی معلّم کی تجویز سے، تاکہ وہ اس کی استعداد اور ضرورت پر نظر رکھ کے اس کے لئے مطالعہ کی کتابیں تجویز کرے۔ خود رائی سے مختلف کتابوں کا مطالعہ وقت اور محنت بہت لے گا، فائدہ اتنا نہیں ہوگا۔ آجکل مدارس عربیہ میں استاد

سوالنامہ

۱۔ آپ کو علمی زندگی میں کن کتابوں اور مصنفین نے متاثر کیا اور آپ کی محسن کتابوں نے آپ پر کیا نقوش چھوڑے۔؟

ہ۔ ایسی کتابوں اور مصنفین کی خصوصیت۔

۳۔ کن مجلات اور جرائد سے آپ کو شغف رہا۔ موجودہ صحافت میں کون سے جرائد آپ کے معیار پر پورے اترتے ہیں ۔۔۔؟

۴۔ آپ نے تعلیمی زندگی میں کن اساتذہ اور درسگاہوں سے خاص اثرات لئے، ایسے اساتذہ اور درسگاہوں کے امتیازی اوصاف جن سے طلباء کی تعمیر و تربیت میں مدد ملی۔

۵۔ اس وقت عالم اسلام کو جن جدید مسائل اور حوادث و نوازل کا سامنا ہے۔ اس کے لئے قدیم یا معاصر اہل علم میں سے کن حضرات کی تصانیف کارآمد اور مفید ثابت ہو سکتی ہیں ۔۔۔؟

۶۔ علمی، فکری اور دینی محاذوں پہ کئی فتنے تخریبی، الحادی اور تجددی رنگ میں (مثلاً انکار حدیث، عقلیت، اباحیت، تجدد، مغربیت، قادیانیت، اور ماڈرنزم) مصروف ہیں۔ ان کی سنجیدہ علمی احتساب میں کونسی کتابیں حق کے متلاشی نوجوان ذہن کی رہنمائی کر سکتی ہیں ۔۔۔؟

۷۔ موجود سائنسی اور معاشی مسائل میں کونسی کتابیں اسلام کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں۔

۸۔ مدارس عربیہ کے موجودہ نصاب اور نظام میں وہ کونسی تبدیلیاں ہیں جو اسے موثر اور مفید تر بنا سکتی ہیں۔

امید ہے اپنے مفید خیالات سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

کا انتخاب طالب علم خود نہیں کر سکتا تو طالب علم کم از کم یہی کر سکے کہ ایسے مدرسہ کا انتخاب کرے جہاں وہ کتابیں جو اسکو پڑھنا ہیں ان کے ماہر اساتذہ کے سپرد ہوں۔ پھر جس استاد کو اپنے مطلوب فن میں زیادہ ماہر سمجھے اس سے استفادہ کا سلسلہ قائم کرے خواہ سبق اس کے پاس ہو یا نہ ہو۔

۲۔ اس زمانہ میں تصنیف تالیف کتابوں کی اشاعت اتنی عام ہے کہ احاطہ دشوار ہے۔ ہر اہل و نااہل تصنیف میں لگا ہوا ہے۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں، جو قرآن و سنت میں تحریف کرتے ہیں۔ اور بے دین و ملحد بھی ہیں۔ اس لئے اس زمانے میں کتابوں کے مطالعہ کیلئے مناسب صورت یہ ہے کہ عوام کسی عالم سے اپنے مناسب حال کتابیں مطالعہ کی تجویز کرائیں۔ اور طلباء اپنے اساتذہ سے۔ اور جہاں مطالعہ میں کوئی اشکال پیش آئے اسکو اپنی رائے سے طے نہ کریں، بلکہ عوام علماء سے اور طلباء اساتذہ سے تحقیق کرکے رفع کریں۔

اگر یہ طریق اختیار نہ کیا گیا تو بیشمار کتابیں دیکھنے اور بڑی محنت کرنے کے بعد کچھ علم آئے گا وہ بھی قابل اطمینان و اعتماد نہیں ہوگا۔

۳۔ جس کتاب کا مطالعہ کرنا ہو پہلے اس کے مصنف کا حال معلوم کیجئے کہ جس موضوع پر یہ کتاب ہے اس فن میں مصنف کی مہارت تحقیق کس حد تک ہے۔ اگر مصنف ہی کی مہارت فن کی تحقیق نہ ہو تو اپنے وقت اور محنت کو اس کے پیچھے ضائع نہ کریں۔ اور اگر کتاب دینیات سے متعلق ہے تو مصنف کے علمی مقام کے ساتھ اس کی عملی اور اخلاقی زندگی کی بھی تحقیق مناسب ہے۔ کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ علوم دین میں بے عمل آدمی کی تصنیف اور کلام میں وہ اثر نہیں ہوتا جو متقی علماء کی تصانیف میں ہے۔

۴۔ عام مسلمان جو دین کا کافی علم نہ رکھتے ہوں وہ فرق باطلہ کی کتابیں اور ملحدین اور بے دین لوگوں کے مضامین ہرگز نہ دیکھیں کہ جسطرح بے دینوں کی مجالست اور صحبت برا اثر ڈالتی ہے اسی طرح ان کا کلام اور تصنیف بھی۔ بلکہ بعض اوقات اس کا اثر صحبت و مجالست سے بھی زیادہ مضر ہوتا ہے۔

۵۔ اہل علم میں بھی صرف وہ حضرات ملحدین اور فرق باطلہ کی کتابوں کا مطالعہ کریں جنکو ماہر اساتذہ کی صحبت سے علم میں رسوخ حاصل ہو چکا ہے۔ اور وہ اپنے وسائل کے اعتبار سے دفاع عن الاسلام کی خدمت انجام دینے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔ مثلاً تحریر، تقریر اس درجہ میں ہو کہ حق بات کو دلنشیں انداز میں فریق مخالف کے نفسیات پر مؤثر کر کے بیان کر سکیں۔ جو لوگ یا اتنی استعداد نہیں رکھتے۔ یا ان کو ایسے لوگوں سے سابقہ نہیں پڑتا، وہ فضول اپنا وقت اور محنت ان کتابوں کے مطالعہ

یعنی صرف کرنیکی بجائے ان کتابوں کا مطالعہ کریں جو اپنے لئے بھی اصلاح نفس کا ذریعہ بنیں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی ان کی تعلیم و تبلیغ مفید ہو۔

ہمارے اکابرؒ فرمایا کرتے تھے کہ درس نظامی سے فراغت کا حاصل اتنا ہے کہ اس کے فاضل میں مطالعہ کی ایسی استعداد پیدا ہوگئی ہے کہ استاد کی مدد کے بغیر بھی مطالعہ کرکے استفادہ صحیح کرسکتا ہے۔ یہ نہیں کہ ضرورت کے سب علوم اور سب معلومات درس نظامی میں پورے حاصل ہوچکے یہ ایک ایسی بات ہے جو اکثر درس نظامی کے فارغ التحصیل لوگ نظر انداز کردیتے ہیں۔ اس لئے ایک عالم کے شایان شان خدمت میں کامیاب نہیں ہوتے۔ ایسے علوم میں خصوصیت سے تاریخ، جغرافیہ اور تصوف ہے۔ جو درس نظامی میں درساً نہیں پڑھائے جاتے لیکن درس نظامی کی صحیح استعداد پیدا کرلینے والا انکو مطالعہ کرکے اسی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مدارس سے فارغ التحصیل حضرات ان فنون کا مطالعہ اہتمام سے کریں۔ خصوصاً تصوف یعنی اصلاح نفس سے متعلق کتابوں کے مطالعہ کو وظیفۂ زندگی بنائیں جس کے بغیر علم دین کا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ نہ تعلیم و تبلیغ میں برکت پیدا ہوتی ہے۔ اس معاملہ میں امام غزالیؒ کی کتابیں عموماً اور بالخصوص بدایۃ المبتدی، تعلیم دین، فاتحۃ العلوم اور احیاء العلوم کی جلد رابع، علامہ ابن قیم کی کتاب ——— الجواب الکافی عن الدواء الشافی، اور کتب متقدمین میں سے رسالہ قشیریہ اور عوارف المعارف وغیرہ اور آخری دور میں حکیم الامت سیدی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی تصانیف تعلیم الدین، التشرف قصد السبیل امثل الاقوال وغیرہ اور آپ کے مطبوعہ مواعظ و ملفوظات اس معاملہ میں اکسیر ثابت ہوئے ہیں۔

رہا معاملہ موجودہ نصاب مدارس میں اصلاح و ترمیم کا تو اس کے لئے انفرادی رائیوں کی اشاعت شاید مفید نہ ہو۔ یہ کام مدارس عربیہ کے ذمہ داروں کے اشتراک اور باہمی بحث و تمحیص کے بعد ہی کوئی مفید صورت اختیار کرسکتا جس سے مدارس عربیہ کے نصاب میں ہم آہنگی اور اشتراک باقی رہے۔

آپ کے سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ "آپ نے تعلیمی زندگی میں کن اساتذہ اور درسگاہوں سے خاص اثرات لئے، ایسے اساتذہ اور درسگاہوں کے امتیازی اوصاف۔"

اس میں جہاں تک درسگاہوں کا تعلق ہے وہ اوپر عرض کرچکا ہوں کہ صرف ایک درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں بچپن سے پچپن ۵۵ تک عمر گذاری ہے اس کی خصوصیات محتاج بیان نہیں۔ ہندوستان و پاکستان میں اور بیرونی ممالک میں بھی اسکی علمی ساکھ ہمیشہ مسلم رہی ہے اور جس چیز نے اسکو دنیا کی دوسری درسگاہوں سے ممتاز کیا وہ علم کے ساتھ عمل کی جامعیت ہے۔

میرے والد ماجد مولانا محمد یٰسین صاحبؒ فرماتے تھے

کہ ہم نے دارالعلوم کا وہ زمانہ دیکھا جبکہ اس کے مہتمم اور صدر مدرس مدرسین سے لیکر ایک چپراسی اور دربان تک سب اولیاء اللہ تھے۔ دارالعلوم دن بھر قال اللہ اور قال الرسول کی صداؤں سے گونجتا تھا۔ تراوت کی جگہ جگہ سے تہجد میں تلاوت قرآن اور ذکر اللہ کی دلنواز صدائیں سنائی دیتی تھیں۔ اور اساتذہ جن کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے کی دولت حق تعالیٰ نے اس ناکارہ کو نصیب فرمائی، ان کے امتیازی اوصاف بیان کرنا تو اس ناکارہ کے بس کی بات نہیں۔ قلم جب یہاں پہنچتا ہے تو ایک طرف محبت کا داعیہ قلم کے افتاد کو خود بخود تیز کرنا چاہتا ہے

این زمان جان دامنم را تافت ست
بوئے پیراہان یوسف یافت ست

دوسری طرف ان بزرگوں کی عظمت اور ان کے کمالات علمی و عملی کی وسعت سے اپنے دامن فکر و نظر کو تنگ پاتا ہوں۔ خصوصاً اس وقت جبکہ میرے سب قوی جواب دے چکے ہیں۔ عمر کے آخری ایام لیٹ بیٹھ کر گذار رہا ہوں۔

ذرا غور کیجئے کہ ان حالات میں اپنے اساتذہ شیخ العرب والعجم استاذ الکل حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الہند نور اللہ مرقدہ حجۃ الاسلام والمسلمین حضرۃ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اور عارف باللہ حضرۃ مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ، عالم ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔ اور دوسرے طبقہ میں حضرۃ مولانا اعزاز علی صاحب حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب۔ حضرت مولانا رسول خاں صاحب جیسے اساطین امت بزرگوں کے امتیازی اوصاف پر قلم اٹھاؤں تو سمندر کو تیراکی کے ذریعہ پار کرنے کی مثال سے کیا کم ہوگی۔ اس وقت تو بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ ع آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

اور یہ کہ ؎

تولائے مرداں ایں پاک بوم
برانگیختم خاطر از شام و روم

اور یہ کہ ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
رفتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی معیت آخرت میں نصیب فرمادیں۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ ★

★ میری علمی و مطالعاتی زندگی کے زیر عنوان اگلے شمارہ میں عالم اسلام کی ممتاز علمی دینی اور ادبی شخصیت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، کا طویل بیان ملاحظہ فرمائیں۔

★ مضمون نگار حضرات کی خدمت میں مودبانہ گذارش ہے کہ الحق کے مضامین کا مسودہ کاغذ کے ایک طرف خوشخط لکھ کر بھجوائیں۔ اس سے عمدہ کتابت اور دلکش ترتیب میں بڑی مدد ملتی ہے۔

(کاتب الحق)